مانسہرہ! تاریخ کے آئینے میں

غلام مصطفیٰ*

مانسہرہ ہزارہ ڈویژن کا دوسرا بڑا اور مختلف اطراف میں پھیلا ہوا ضلع ہے۔جو کہ۴۵۷۹ مربع کلو میٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔[1] اس کے شمال میں ضلع بٹگرام اور کوہستان،مشرق میں آزاد کشمیر کا ضلع مظفر آباد، جنوب میں ایبٹ آباد و ہری پور کے ضلعے ہیں اور مغرب میں ضلع بونیر ہے۔یہ تین تحصیلوں (مانسہرہ، اوگی، بالاکوٹ)اور صوبائی قبائلی علاقے، کالاڈھاکہ، پر مشتمل ہے۔ گوجر، سواتی، اعوان، تنولی اور سید یہاں کے بڑے قبائل جبکہ ہندکو،پشتواور گوجری یہاں کی اہم علاقائی زبانیں ہیں۔۱۹۹۸ء میں اس ضلع کی آبادی ۱۱۵۲۸۳۹ نفوس پر مشتمل تھی جو اب کافی بڑھ چکی ہے۔[2] اس کے سرسبز و شاداب میدان اور وادیاں، پہاڑوں کے پُر اسرار سلسلے، برف پوش چوٹیاں،بل کھاتے ہوئے نالے و دریا اور مخملیں گھاس والی چراگاہیں باہم مل کر یہاں کے حُسن میں اضافہ کرتی ہیں۔

مانسہرہ کی تاریخ بُہت پُرانی ہے۔اس کی جغرافیائی سرحدیں مختلف راجوں،مہاراجوں اور بادشاہوں کے ادوار میں مسلسل تبدیل ہوتی رہی ہیں۔لامحدود صدیوں کی دھند میں دفن ہونے کی وجہ سے مانسہرہ کی پرانی تاریخ کا سراغ لگانا بظاہر ناممکن ہے لیکن اس کے باوجود لکھاریوں نے اس کے بارے میں لکھنے کی کوشش کی ہے۔ ٹوٹی ہوئی کڑیاں ملانے کے لئے انہوں نے مختلف روایات کا سہارا لیا ہے۔ ان روایات اور شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اور انسانی تہذیب مانسہرہ میں قدیم دور سے موجود ہیں۔

یہ تحقیقی مقالہ مانسہرہ کے تاریخی و سیاسی ارتقاء پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس میں تاریخی حقائق کو ان

---

* اسسٹنٹ پروفیسر،گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج،مانسہرہ۔

کے اصل تناظر میں دیکھنے اور ان کی سائنسی انداز میں توضیح وتشریح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اول تو مانسہرہ کی تاریخ وسیاست پر کوئی غیر جانبدارانہ قابل ذکر کام ہی نہیں ہوا اور جو ہوا بھی ہے اس میں غیر سائنسی اور متعصبانہ رویہ اپنایا گیا ہے۔ اکثر مصنفین نے حقائق کو توڑ موڑ کر اپنے رنگ میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مقالہ اپنی نوعیت کی ایک ایسی کوشش ہے جس میں متعصبانہ اور غیر سائنسی رویے سے گریز کیا گیا ہے۔

ابتدائی دور

وادی سندھ کی تہذیب کے آثار تو مانسہرہ میں نہیں پائے گئے لیکن اس کے باوجود یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ علاقہ بھی وادی سندھ کی تہذیب کا حصہ رہا ہوگا اور یہاں کے لوگوں کی بودوباش اور رہن سہن اسی طرح کا ہوگا جس طرح کہ ہڑپہ اور موہنجو داڑو کے کھنڈرات اس وقت کی زندگی کے بارے میں ہمیں بتاتے ہیں۔ وادی سندھ کی تہذیب کی تباہی میں آریاؤں کا ہاتھ تھا جو ہندوستان کے شمال مغرب سے وارد ہوئے اور تقریباً ایک ہزارسال تک ان کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ مانسہرہ ان دروں کے قریب پڑتا ہے جہاں سے یہ حملہ آور برصغیر میں داخل ہوئے تھے۔ لہٰذا لازماً ان کا پہلا ہدف یہ علاقہ رہا ہوگا اور ابتدائی ریلے میں آنے والے لوگ یہاں آباد ہوئے ہوں گے۔ مقامی لوگوں سے ملاپ کی وجہ سے ایک نئی تہذیب اور مذہب کی بنیاد پڑی جسے ہندومت کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ہندومت کے پیروکار ہوئے اور اپنی زندگی اس کی تعلیمات کی روشنی میں گزارنے لگے۔ مانسہرہ شہر کی مغربی سمت بریڑی کا مقدس مقام اور شمال کی جانب گاندھیاں نامی گاؤں میں شیواہ مندر اس بات کا ثبوت ہیں کہ لوگ دور دراز سے ان مقامات کی یاترا کرنے آیا کرتے تھے۔ بریڑی کی یاترا سال میں دو بار ہوا کرتی تھی۔ پہلی مرتبہ بہار میں اور دوسری مرتبہ موسم خزاں میں۔[۳] یہ سلسلہ قیام پاکستان تک جاری رہا۔ لیکن بعد میں ہندوؤں کی یہاں سے اجتماعی ہجرت کے سبب یاترا کا یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

آریاؤں نے یہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں اور زندگی گزارنے لگے۔ ہندومت کو عروج حاصل ہونے کے بعد زوال کا سامنا بھی کرنا پڑا جب بدھ مت کی تعلیمات عام ہونے لگیں۔ تقریباً چوتھی صدی قبل از مسیح سے مانسہرہ ٹیکسلا کے ماتحت رہا ہوگا۔ سکندر اعظم جب ایران کو فتح کرنے کے بعد شمال مغربی ہندوستان پہنچا تو اس نے ٹیکسلا کے راجہ امبی سے حکومت چھینی اور ۳۲۷ قبل از مسیح

میں یہاں کا حکمران بن بیٹھا۔ مانسہرہ بڑے مختصر عرصے کیلئے یونانی حکومت کے زیر تسلط رہا۔ واپس جاتے وقت سکندر نے یہ علاقہ پونچھ ریاست کے راجہ ابی ساریز کے حوالے کر دیا تھا۔ جلد ہی مانسہرہ مقامی حکمرانوں کے کنٹرول میں آ گیالیکن اس مرتبہ ٹیکسلا نہیں بلکہ پونچھ سیاسی مرکز بنا۔[۴]

سکندر اعظم کی واپسی کے بعد چندرگپت نے موریہ خاندان کی حکومت کی بنیا د رکھی اور اپنی ریاست کی سرحدوں کو مختلف اطراف میں پھیلانا شروع کیا۔چندر گپت کے بیٹے بندو سارا کے وقت مانسہرہ بھی موریاؤں کے قبضے میں چلا گیا۔ یہ ایک مرتبہ پھر صوبہ ٹیکسلا کا حصہ بنا۔ ان دنوں ٹیکسلا کا گورنر مہاراجہ اشوک تھا۔ مہاراجہ، ہندوستان بننے کے بعد اشوک نے ٹیکسلا کو ایک بہت بڑا علمی مرکز بنا دیا جہاں دور دراز سے طلبہ علم کے حصول کیلئے آیا کرتے تھے۔ مانسہر ہ شمالی علاقہ جات اور کشمیر کے لئے ایک اہم گزرگاہ تھا اس لئے اشوک کی توجہ کا مرکز بنا۔ مانسہرہ شہر کے پہلو میں تین چٹانوں پر کندہ اشوک کے فرامین اس کی یہاں حکمرانی کا ثبو ت ہیں۔ ان فرمودات میں بدھ مت کے احکامات کی پابندی، باہمی رواداری اور احترام آدمیت پر زور دیا گیا ہے۔ ان کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں سے لوگوں کا مستقل گزر ہوتا تھاجو یا تو مقدس مقامات کی زیارت کرنے یا تجارت کی غرض سے یہاں سے گزرا کرتے تھے۔حال ہی میں شنکیاری کے قریب تین کلومیٹر شمال کی جانب اسی دور کے کھنڈرات دریا فت ہوئے ہیں۔ ان آثار سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ یہ بدھ مت کا ایک بہت بڑا علمی مرکز تھاجہاں حصول علم کیلئے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی آیا کرتے تھے۔ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ مہاراجہ اشوک نے کالنجر کی جنگ کے بعد نہ صرف بدھ مت قبول کیا بلکہ اس کی تبلیغ و پھیلاؤ کی ذمہ داری بھی اپنے سر لی۔[۵] اس کے دور میں یہاں بدھ مت کو عروج حاصل ہوا اور ہندو مت وقتی طور پر پس منظر میں چلا گیا۔بدھ راہب اپنے مذہب کی تبلیغ کیلئے یہاں سے دور دراز کا سفر کیا کرتے تھے اور وہاں کے لوگوں کو یہاں تربیت کیلئے آنے کی دعوت بھی دیتے تھے۔

اشوک کے بعد دو صدیوں تک یہاں کیا ہوتا رہاکسی کو معلوم نہیں۔ اُس وقت کی تاریخ پر وقت کی سیاہ چادر کا پردہ پڑا ہواہے جس سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہاں کیا ہوتا رہا اور کس کی حکومت رہی۔ کہا جاتا ہے کہ ۵۵ صدی عیسوی میں کجولا کاڈفیسس نامی فاتح شمال مغربی ہند میں وارد ہوا اور یہاں اپنا اقتدار قائم کیا۔ اس کے بیٹے کنشک نے ۱۰۵ عیسوی میں اپنی سلطنت کی سرحدوں کو مزید

وسعت دی جس سے یہ علاقہ بھی اس کے زیر نگیں آیا۔[6] اس دور میں بھی بدھ مت کو ہی عروج حاصل رہا اور اس کی سرپرستی ہوتی رہی۔ کنشک کے دور میں یہاں سے مبلغین اور تاجر وسطی ایشیاء اور چین تک آسانی سے سفر کیا کرتے تھے۔ مذہبی تعلیمات کے پرچار کے ساتھ ساتھ ان علاقوں کے ساتھ تجارت بھی کی جاتی تھی۔

کنشک کے دور کے بعد پھر خاموشی ہے۔ تقریباً ایک صدی تک کچھ معلوم نہیں کہ کیا ہوتا رہا۔ دوسری صدی عیسوی میں سیالکوٹ کے راجہ سالباہن کے بیٹے راجہ رسالو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے اس علاقے کو فتح کیا۔[7] مذہباً راجہ رسالو ہندو مت کا پیروکار تھا لیکن آج بھی مقامی لوگوں کا وہ ہیرو ہے جس کے قصے کہانیاں والدین اپنے بچوں کو سردیوں کی طویل راتوں میں اکثر سنایا کرتے ہیں۔ ان قصوں میں راجہ کو بہت طاقتور حکمران کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس نے دیوؤں سے لڑائی کر کے انہیں اس علاقے سے بھگا دیا تھا۔ یہ فرضی کہانیاں ہیں لیکن لوگوں میں یہ سینہ بہ سینہ عرصے سے چلی آ رہی ہیں۔

راجہ رسالو کے بعد پھر طویل خاموشی ہے۔ چینی سیاح ہیون سانگ جب ہندوستان کے سفر پر آیا تو اس کا اس علاقے سے گزر ہوا۔ وہ اپنے سفر نامے میں لکھتا ہے کہ اس وقت یہ علاقہ کشمیری حکمران درلابھا وردھنا کے کنٹرول میں تھا۔[8] شاید طویل عرصے تک یہ علاقہ کشمیری حکمران کے قبضہ میں رہا ہو لیکن جب ہندو شاہی حکمرانوں نے طاقت حاصل کی تو مانسہرہ ان کے کنٹرول میں چلا گیا۔ راجہ جے پال اس خاندان کا سب سے نمایاں حکمران تھا۔ اس نے سبکتگین اور محمود سے جنگیں لڑیں مگر ہر بار شکست کھائی۔ محمود نے ہندو شاہی اقتدار کا خاتمہ تو کیا لیکن مانسہرہ تک اپنے اقتدار کو وسعت نہ دی بلکہ اسے کشمیر جانے کے لئے صرف ایک گزرگاہ کے طور پر استعمال کیا۔[9] پانچویں صدی عیسوی کے بعد ہندومت کو ایک مرتبہ پھر یہاں عروج حاصل ہوا جبکہ بدھ مت رفتہ رفتہ اس علاقے سے معدوم ہوتا چلا گیا۔

قرونِ وسطیٰ

ہندو شاہی اقتدار کے خاتمے کے بعد یہ علاقہ دوبارہ کشمیری حکمرانوں کے کنٹرول میں چلا گیا۔ کالا شان اور سو سالا اس دور کے مشہور کشمیری حکمران تھے۔ یہ حکمران اکثر اس علاقے کے دورے کیا

کرتے تھے تاکہ اپنے اقتدار کو یہاں مزید مستحکم کر سکیں۔ بارھویں صدی میں جب محمد غوری نے ہندوستان پر حملے کئے تو کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک کمانڈر اصالت خان نے اس علاقے کو فتح کیا لیکن جلد ہی اسے یہاں سے بے دخل کر دیا گیا۔[10] دوبارہ یہ علاقہ اپنے سابقہ حکمرانوں کے کنٹرول میں چلا گیا۔ غالباً امیر تیمور کے ہندوستان پر حملے تک کشمیر اس علاقے کو اپنے کنٹرول میں رکھنے میں کامیاب رہا۔

امیر تیمور ۱۳۹۹ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا۔ دہلی کو تباہ و برباد کرنے کے بعد اس نے جموں و کشمیر پر بھی چڑھائی کی اور واپسی پر خضر خان کو اپنی شمال مغربی مقبوضات کا نگران مقرر کر کے یہاں سے رخصت ہوا۔[11] چونکہ مانسہرہ کابل اور کشمیر کے درمیان ایک اہم راستہ تھا اس لئے تیمور نے اپنے ایک ہزار سپاہی یہاں چھوڑ دیئے جنہیں یہاں اپنا تسلط قائم کرنے کے ساتھ ساتھ اس اہم گزرگاہ کو بھی اپنے کنٹرول میں رکھنا تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ ہزارہ کا نام بھی یہیں سے پڑا۔[12] بہر حال مانسہرہ براہ راست ثمر قند کے زیر تسلط آ گیا۔ خضر خان دہلی پر قبضہ کرنے اور سلطان بننے کے باوجود تیمور کا وفادار رہا۔ مانسہرہ کا پہلی مرتبہ مذہب اسلام سے رابطہ تیمور کے حملے کے بعد قائم ہوا۔ اس کے بعد یہاں تبلیغی سرگرمیاں شروع ہوئیں اور لوگ دائرۂ اسلام میں آنے لگے۔

پندرھویں صدی کے آخر میں یہاں ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد رکھی گئی جسے تاریخی دستاویزات میں پکھلی سرکار لکھا گیا ہے۔ ۱۴۷۲ء میں شہاب الدین نامی شہزادہ کابل سے اپنے کچھ حمایتیوں کے ساتھ یہاں پہنچا اور گلی باغ کو اپنا مرکز بنا کر ایک چھوٹی سی ریاست کی بنیاد رکھی جس کا نام پکھلی سرکار تھا۔[13] ابتداً اس ریاست کی حدود بڑی مختصر تھیں لیکن بعد ازاں شمال اور جنوب کی طرف اس کی حدود کو وسعت دی گئی۔ پکھلی کے حکمران مکمل آزاد نہیں تھے۔ انہیں مجبوراً دہلی کے ماتحت رہنا پڑتا تھا۔ دہلی پر جب مغلوں کا قبضہ ہوا تو مقامی ترک حکمران نے ان کے اقتدار کو تسلیم کیا اور ایک ماتحت کے طور پر یہاں کا انتظام چلانے لگا۔

مغلیہ دور کی سرکاری دستاویزات میں پکھلی کا حوالہ کئی جگہوں پر ملتا ہے۔ مغل حکمران کشمیر جاتے وقت یہی راستہ استعمال کیا کرتے تھے۔[14] ان کا پڑاؤ گلی باغ کے قریب ہوتا تھا جبکہ ان کے ہاتھی یہاں سے پانچ کلومیٹر مشرق کی طرف ٹھہرائے جاتے تھے۔ اس جگہ کا نام اسی نسبت سے ہاتھی میرا

پڑا۔ راستوں کی دشواری کی وجہ سے مغل یہاں سے آگے ہاتھی نہیں لے جاسکتے تھے۔ان کی کشمیر سے واپسی تک یہ ہاتھی یہیں ہوتے تھے اور یہاں کا ترک حکمران ان کی حفاظت اور چارے کا بندوبست کرتا تھا۔ اکبر اور جہانگیر کشمیر جاتے ہوئے پکھلی میں قیام کیا کرتے تھے اور پھر یہاں سے آگے روانہ ہوتے تھے۔ مقامی ترک حکمران ان کے یہاں سے کشمیر تک سارے سفری معاملات کی دیکھ بھال کا ذمہ دار تھا۔[۱۵] مغل دور میں مانسہرہ (پکھلی سرکار) ایک انتظامی یونٹ کے طور پر دہلی کے ماتحت تھا۔مغلوں کے زوال کے ساتھ ہی پکھلی سرکار کو بھی زوال آیا اور اٹھارھویں صدی کی ابتداء میں ترک اقتدار یہاں سے مٹ گیا۔

سترھویں صدی کے آخراور اٹھارھویں صدی کے آغاز میں مانسہرہ کے حالات نے پلٹا کھایا جس کی بدولت نئے کردار سامنے آئے۔عرصہ پہلے سواتیوں اور تنولیوں کو یوسفزئیوں نے ان کے سابقہ علاقوں سے بے دخل کردیا تھا۔ ان لوگوں کو اپنے لئے نئی جگہوں کی تلاش میں نکلنا پڑا۔ یہ مختلف اوقات میں مانسہرہ کی طرف آئے۔تنولی سواتیوں سے پہلے دریائے سندھ عبور کرکے پکھلی سرکار کے علاقے میں داخل ہوئے اور موجودہ تناول میں آباد ہو گئے۔اس کے بعد سواتیوں کی باری تھی جس کے بارے میں مورخین کے متضاد دعوے ہیں۔ یوسفزئیوں سے شکست کے بعد وہ سوات کے پہاڑی دروں میں اپنے ہم نسب سواتیوں کے درمیان مقیم تھے کیونکہ ابھی تک یوسفزئیوں نے نہ تو ان دروں تک رسائی حاصل کی تھی اور نہ ہی انہیں ابھی تک اس کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات کا پورا ہونا ممکن نہ رہا تو سواتیوں نے موجودہ بٹگرام، جو اس وقت کی پکھلی سرکار کا شمالی حصہ تھا ،اور پھر مانسہرہ کا رُخ کیا۔ انہوں نے ترک اقتدار کا یہاں سے خاتمہ کردیا۔[۱۶] محمد اختر کے بقول سواتی سترھویں صدی کے وسط میں یہاں آئے جبکہ واٹسن اور ارشاد خان ان کی آمد کا وقت بالترتیب ۱۷۰۳ء اور ۱۷۱۳ء بتاتے ہیں مؤخر الذکر حضرات کی رائے قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ دور ہے جب مُغل اقتدار گہنا گیا تھا اور اپنی آخری ہچکیوں پر تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔اس افراتفری نے نہ صرف اندرونی انتشار پھیلایا بلکہ بیرونی حملہ آوروں کو بھی دعوت دی۔یہی وجہ ہے کہ ایرانی ،افغانی اور یورپی اقوام نے ہندوستان میں اپنی قسمت آزمائی کا آغاز کیا۔

سواتی اور تنـ ول پکھلی سرکار کے علاقے میں آ کر آباد تو ہوگئے لیکن ترکوں کی طرح اُنہوں نے کوئی مرکز منتخب کر کے کسی ایک حکمران کے تحت کوئی انتظامی مشینری قائم نہ کی۔جو جہاں پہنچا وہیں آباد ہوگیا۔انہوں نے نہ صرف ترکوں کو اقتدار سے باہر نکالا بلکہ باقی مقامی اکثریتی آبادیوں کو بھی مشرق کی طرف یا پہاڑوں پر دھکیل دیا۔۱۷ بعد میں بھی سواتی اپنی سابقہ آبادیوں سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آتے رہے۔

اٹھارھویں صدی میں دہلی کی گرفت ڈھیلی پڑنے پر مغلیہ ہندوستان ٹکڑوں میں بٹنے لگا تو ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے اس سے فائدہ اُٹھایا اور ہندوستان پر حملہ کرکے مغلوں کے اقتدار کو مزید کمزور کردیا۔ جو کچھ اُس کے ہاتھ آیا وہ لوٹ کر چلتا بنا۔اس کے انتقال پر ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ ابدالی نے ایران سے آزادی کا اعلان کر کے موجودہ افغانستان کی بنیاد ڈالی۔اس نے بھی ہندوستان کے شمال مغربی علاقوں پر حملے شروع کئے اور ۱۷۵۲ء میں پنجاب، کشمیر اور ہزارہ پر کنٹرول حاصل کر لیا۔ احمد شاہ اور اس کے جانشینوں نے اس علاقے کو اپنے کنٹرول میں رکھنے اور کشمیر تک اپنے راستے محفوظ رکھنے کے لئے مقامی سرداروں کے ساتھ مراسم قائم کئے اور انہیں بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں تاکہ ان کی وفاداری اور حمایت حاصل رہے۔ کابل حکومت کے لئے ٹیکس اکٹھا کرنے اور راستے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری انہی سرداروں کو سونپی گئی تھی۔گڑھی کے سعادت خان اور تناول کے گُل شیر خان ان اہم سرداروں میں شامل تھے جو درانیوں کے نمائندوں کے طور پر یہاں فرائض سرانجام دیتے تھے۔تناول کے معاملات کی ذمہ داری گُل شیر پر جبکہ سواتی علاقوں کی ذمہ داری سعادت خان پر تھی۔ کابل کے درانی حکمران یہاں گہری نظر رکھتے تھے اور بغاوت کا کوئی موقع پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔۱۸

انیسویں صدی کے شروع میں درانی کمزور ہوگئے اور سکھوں کو عروج ملا۔ اس وقت کے لاہور کے گورنر رنجیت سنگھ نے درانیوں سے آزادی کا اعلان کردیا اور رفتہ رفتہ اپنی نومولود ریاست کی سرحدیں دور دراز علاقوں تک پھیلا دیں۔ اس پھیلاؤ سے درانیوں کی سرحدیں سکڑنے لگیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پنجاب کے ساتھ ساتھ جموں و کشمیر،ہزارہ اور پشاور پر بھی اپنا قبضہ جمالیا۔ اس طرح مانسہرہ درانیوں کے کنٹرول سے نکل کر سکھوں کے قبضے میں چلا گیا۔سکھ ۱۸۱۸ء میں یہاں وارد ہوئے اور اس علاقے پر کنٹرول حاصل کیا۔مقامی قبائلی جب سکھ اقتدار کو تسلیم کرنے میں پس و پیش کرنے

لگے تو رنجیت سنگھ نے گورنر کشمیر ہری سنگھ نلوہ کو یہاں بھیج دیا۔اس نے مختلف مقامات پر مقامی لوگوں سے لڑائیاں کیں اور سکھ اقتدار کو یہاں استحکام دیا۔[۱۹]

سکھوں کے دور حکومت میں برطانوی ہند سے مجاہدین کی وادی پشاور میں آمد شروع ہوئی۔ سیداحمد شہید کی قیادت میں مجاہدین نے پنجتار کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد رکھنے کی کوشش کی۔[۲۰] مانسہرہ میں مجاہدین کا سب سے پہلا معرکہ پائندہ خان تنولی سے ہوا۔پائندہ خان ایک چھوٹی سی ریاست کا حکمران تھا جس کی بنیا د اس کے دادا ہیبت خان نے رکھی تھی۔اس ریاست کا نام امب پڑا۔مجاہدین نے ۱۸۲۸ء میں پائندہ خان کو شکست دے کر یہاں سے بھگا دیا۔[۲۱] اس فتح سے اعتماد حاصل کرنے کے بعد مجاہدین نے ہری سنگھ نلوہ کے دستوں پر بھی حملہ کیا لیکن شکست کھائی۔[۲۲]

پائندہ خان کیلیئے یہ دور بڑا کٹھن تھا کیونکہ اس سے اپنی ریاست چھن گئی تھی۔وہ مجاہدین کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف تھااور اسے ہر وقت اپنا علاقہ کھوجانے کا دھڑکا لگا رہتا تھا۔آخر کار اس نے ہری سنگھ کی طرف مدد کیلیئے رجوع کیا۔ہری سنگھ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا جس میں وہ مجاہدین کو سبق سکھا سکے۔لہٰذااس نے اپنی پوری قوت کے ساتھ مجاہدین پر حملہ کیااور پائندہ خان کے علاقے سے انہیں شکست دے کر باہر نکال دیا۔[۲۳] اس طرح پائندہ خان نے ہری سنگھ کی مدد سے اپنا کھویا ہوامقام اور علاقہ ۱۸۳۰ء میں دوبارہ حاصل کرلیا۔ مجاہدین کو شکست دینے کے بعد ہری سنگھ پائندہ خان کو اسکا علاقہ حوالے کرنے کے بعد واپس چلاگیا۔

دریائے سندھ کے اس پار یوسفزئیوں کے علاقے میں جب مجاہدین کی مخالفت بڑھ گئی تو انہوں نے یہاں سے کوچ کر کے کشمیر جانے کا فیصلہ کیا۔ جب پائندہ خان سے راہداری مانگی گئی تواس نے سابقہ تجربات کی بنیاد پر راستہ دینے سے صاف انکار کردیا۔[۲۴] لہٰذااب مجاہدین کشمیر جانے کے لئے وہ راستہ نہیں استعمال کرسکتے تھے جو درانی کابل سے کشمیر جانے کے لئے استعمال کیاکرتے تھے۔چنانچہ مجاہدین نے ریاست امب کے شمال سے ہوتے ہوئے کشمیر جانے کا فیصلہ کیا۔مجاہدین پہلے موجودہ بٹگرام پہنچے اور پھر وہاں سے مانسہرہ کی وادی کونش سے ہوتے ہوئے بھوگڑمنگ کی طرف آئے۔ مقامی آبادی نے انہیں خوش آمدید کہا اور سکھوں کے بجائے انہیں ٹیکس دینا شروع کردیا۔سکھوں نے جن بااثر لوگوں سے ان کے علاقے بطورسزا چھینے تھے وہ سید احمد کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور مظفر آباد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ چلتے چلتے جب سید احمد کا قافلہ بالاکوٹ پہنچا تو سکھوں نے شیر سنگھ کی قیادت میں انہیں آلیا۔ بالاکوٹ کا معرکہ مئی ۱۸۳۱ء میں ہوا جس میں مجاہدین کی ساری قیادت شہید ہوگئی۲۵ اور کشمیر کو مستقر بنا کر ایک ریاست قائم کرنے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ تحریک مجاہدین اپنے مقصد میں تو ناکام رہی لیکن مانسہرہ کے باسیوں پر اپنے دور رس اثرات چھوڑ گئی۔

مجاہدین سے نجات حاصل کرنے کے بعد سکھوں نے چین کا سانس لیا اور جب تک یہاں کا نظام ہری سنگھ نلوہ کے پاس رہا مانسہرہ میں اس کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہوا گو پائندہ خان سے مخالفت پیدا ہوگئی تھی لیکن وہ کوئی بڑا خطرہ نہ تھا کہ جس سے پریشان ہو اجائے۔ جب تک رنجیت سنگھ زندہ رہا سکھوں کی خالصہ حکومت کی سرحدیں مسلسل پھیلتی رہیں لیکن اس کے انتقال پر اس کے جانشین زیادہ اہل ثابت نہ ہوئے اور جلد ہی اندورنی خلفشار کی وجہ سے سکھ اقتدار میں دراڑیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ ۱۸۴۶ء کی اینگلوسکھ جنگ نے سکھ اقتدار کے خاتمے کی بنیا د رکھی۔ معاہدہ امرتسر کی رو سے جموں و کشمیر، ہزارہ سمیت گلاب سنگھ کے حصے میں آئے۔ ۱۸۴۷ء میں ہزہرہ کے مختلف قبائل نے بغاوت کر دی جسے کچلنے کیلئے دیوان جوالا سہائے کو بھیجا گیا۔ اس نے بغاوت کو کچل دیا لیکن واپسی پر گلاب سنگھ کو ہزارہ کے بدلے کوئی اور علاقہ انگریز سے لینے کا مشورہ دیا۔ اس کے بقول جموں سے ہزارہ کی دوری انتظامی معاملا ت کے نفاذ میں مشکلات کا سبب تھی۔۲۶

نرسنگداس نرگس، واٹسن اور دیگر مصنفین نے انتظامی مشکلات کو مہاراجہ گلاب سنگھ کی اس علاقے سے دستبرداری کا سبب قرار دیا ہے۔ مہاراجہ نے انگریز حکومت سے ان کے بقول درخواست کی کہ وہ ہزارہ کو مناور اور کھڑی کے ساتھ تبدیل کر نا چاہتا ہے جو کہ میجر جیمز ایبٹ کی حد بندی میں حدود سرکار لاہور میں شامل ہوگئے تھے۔ چنانچہ مہاراجہ کی درخواست منظور ہوئی اور ہزارہ دوبارہ دربار لاہور کو دیا گیااور اس کے بدلے مناور اور کھڑی جو جموں کے قریبی علاقے تھے ریا ست جموں وکشمیر میں شامل کیئے گیئے۔ ۲۷

مذکورہ بالا مصنفین یہ رائے دیتے ہوئے اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ جیمز ایبٹ جسے انگریزوں نے ہزارہ میں بھیجا تھا گریٹ گیم میں برطانیہ کی فارورڈ پالیسی کا ایک اہم کارندہ تھا اور

وسطی ایشیاء میں روس کے اثرات اور پوزیشن کا جائزہ لینے کے لئے ۱۸۳۹ء میں قندھار سے ہوتا ہوا خیوا گیا تھا۔[۲۸] روس کے خطرے کے خلاف برصغیر کے دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے انگریز کی ایسے علاقوں تک رسائی ضروری تھی جو روس کے برصغیر پر متوقع حملے کا سدباب کرسکیں۔میجر ایبٹ ۱۸۴۶ء میں اس علاقے میں آنے کے بعد یہیں مقیم رہا اور مقامی آبادی میں گھل مل گیا۔ جب ۱۸۴۹ء میں سکھ اقتدار مکمل طور پر ختم ہوا تو ایبٹ یہاں کا پہلا ڈی-سی بنا۔ انگریز حکومت نے جلد یہاں کنٹونمنٹ کی بنیاد رکھی اور مانسہرہ سے براستہ بابو سر پاس چلاس تک سڑک بنائی[۲۹] تا کہ شمالی علاقہ جات کے ان دروں تک براہ راست رسائی حاصل کی جاسکے جہاں سے روس ممکنہ طور پر ہندوستان پر حملہ کر سکتا تھا۔۱۸۴۷ء میں مہاراجہ سے یہ علاقہ حاصل کرنے کا یہ ایک بڑا سبب تھا۔اس پہلو پر کبھی کسی کی توجہ نہیں گئی۔ ہر ایک نے ہزارہ کی منتقلی کو انتظامی مشکلات کا شاخسانہ قراردیا۔کوئی حکمران اپنا علاقہ آسانی سے چھوڑنے کو تیارنہیں ہوتا۔ گلاب سنگھ نے شمال میں زیادہ مشکل حالات میں اپنی ریاست کی سرحدوں کو وسعت دی تھی اور وہاں انتظامی معاملات زیادہ توجہ طلب تھے لیکن مہاراجہ نے وہاں سے دستبرداری کا کبھی نہ سوچا۔انگریز حکومت نے مہاراجہ کو اس علاقے سے دستبرداری پرمجبور کیا ہوگا تاکہ اپنے گریٹ گیم کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا جاسکے۔ مورخین کو اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیئے تاکہ تاریخی حقائق اور واقعات کو صحیح تناظر میں دیکھا جاسکے اور آئندہ نسلوں کی نظروں سے کوئی پہلو پوشیدہ نہ رہے۔

انگریز دور

مانسہرہ ۱۸۴۹ء میں انگریز سرکار کی براہ راست عملداری میں آیا۔ انگریز کو یہاں کا نظم ونسق سنبھالنے میں زیادہ دقت پیش نہ آئی۔ میجر ایبٹ نے معاملات بڑی خوش اسلوبی سے نبٹائے اور لوگوں کے دلوں میں نئے حکمرانوں کیلئے نرم گوشہ پیدا کیا۔[۳۰] اس کامیابی کی وجہ غالباً انگریز حکومت کا جدید طریقہ کار اور وسائل تھے۔انگریز حکمرانوں نے مقامی لوگوں کی نفسیات کو ملحوظ خاطر رکھا اور سکھوں اور درانیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سکون سے حکومت کی۔

۱۸۵۲ء میں کاغان کے زمان شاہ کے بارے میں اطلاع ملی کے وہ سید احمد شہید کی باقیات کے ساتھ سازباز کررہاہے تو اس کے خلاف ایبٹ نے مہم بھیجی۔زمان شاہ نے کوئی مزاحمت نہ کی لیکن اس

کے باوجود اسے پکھلی بھیج دیا گیا اور ۱۸۵۵ء میں معافی دے کر واپس جانے کی اجازت دے دی۔[۳۱]

مانسہرہ اور اس کے اردگرد کے علاقے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران پر امن رہے۔ دراصل سارا شمال مغربی ہندوستان جنگ آزادی کے دوران پر سکون رہا۔ہوتی مردان میں ۵۵انفنٹری رجمنٹ کے ۶۰۰ جوانوں نے بغاوت کی اور سوات کی طرف بھاگ گئے۔ان سپاہیوں کو مقامی لوگوں کی طرف سے کوئی حمایت نہ ملی۔ لہٰذا انہوں نے وہاں سے اس امید پر کشمیر کی طرف رخت سفر باندھا کہ شاید وہاں انہیں خوش آمدید کہاجائے۔ ان بے چاروں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ انہیں جو ریاستیں آزاد معلوم ہوتی تھیں وہ نہ تو آزادتھیں اور نہ ہی انگریز حکومت کے مفادات کے خلاف کوئی کام کرسکتیں تھیں۔ڈی۔سی ہزارہ کیپٹن بیچر کو جب مجاہدین کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے مانسہرہ کی اہم شخصیات کی طرف احکامات بھیجے کہ وہ باغیوں کو اپنے علاقے سے نہ گزرنے دیں۔ مجاہدین کونش کے راستے آگے بڑھنا چاہتے تھے لیکن جب وہاں مقامی لوگوں کو چوکنا حالت میں راستوں پر پہرہ دیتے ہوئے دیکھا تو ان کی ہمت جواب دے گئی اور انہوں نے اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے ایک مشکل راستے کا انتخاب کیا جو کوہستان سے ہوکر جاتا تھا۔ان مجاہدین کی بدقسمتی تھی کہ بیچر کا خط الائی اور کوہستان بھی گیا اور وہ اپنے مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے۔جھیل دودی پت سر کے قریب مقامی لوگوں کے تعاون سے ۱۲۴ لوگ گرفتار ہوئے جبکہ ۴۳ افراد جو کشمیر میں داخل ہو چکے تھے وہاں کی حکومت نے گرفتار کر کے واپس بھیج دیئے۔جہاں یہ لوگ گرفتار ہوئے تھے اسے پورلی ناڑ کہتے ہیں۔[۳۲] ان باغی مجاہدین کو توپ کے آگے باندھ کر اُڑایا گیا تھا تاکہ دوسرے عبرت پکڑ سکیں۔

بندوبستی علاقے کے برعکس کالا ڈھاکہ کے قبائل انگریز انتظامیہ کیلئے امن وامان کا مسئلہ پیدا کرتے رہے۔وہ بندوبستی علاقوں پر حملے کر کے لوٹ مار کرتے اور بھاگ جاتے تھے۔یہ سلسلہ ۱۸۹۲ء تک جاری رہا۔انگریز منتظمین نے اس مسئلے کے حل کے لئے ایک کامیاب حکمت عملی اپنائی۔ انگریز سرکار نے ان قبائل کے خلاف چار مہمیں بھیجیں۔یہ مہمات ۱۸۶۸ء،۱۸۸۸ء، ۱۸۹۱ء اور ۱۸۹۳ء میں بھیجی گئیں جن سے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔مجرمین کو سخت سزائیں دے کراور باثر افراد کو مراعات دے کر علاقے کو مکمل طور پر پر سکون بنا دیا گیا۔[۳۳] ۱۸۹۲ء کے بعد کوئی ایسا نا خوشگوار واقعہ پیش نہ آیا جس پر حکومت کو ان قبائل کے خلاف اقدامات کرنے پڑے ہوں۔

انگریزوں نے یہاں اقتدار حاصل کرنے کے بعد ہزارہ کو تین تحصیلوں پر مشتمل ضلع بنایا۔ ان تحصیلوں میں مانسہرہ، ہری پور اور ایبٹ آباد شامل تھے جن میں مانسہرہ سب سے بڑی تحصیل تھی۔ ۱۹۰۱ء تک یہ علاقہ صوبہ پنجاب کا حصہ رہا لیکن اسی سال جب پنجاب کو تقسیم کر کے شمال مغربی سرحدی صوبہ بنایا گیا تو ضلع ہزارہ کو اس نئے صوبے کا حصہ بنادیا گیا۔۳۴

انگریز کے دور میں جو آئینی اصلاحات ہند کے باقی صوبہ جات میں نافذ ہوئیں ان سے صوبہ سرحد محروم رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے دوسرے حصوں میں جو سیاسی اتار چڑھاؤ پیدا ہوا اس کے اثرات سے صوبہ سرحد کافی عرصہ تک باہر رہا۔ یہاں نہ تو تقسیم بنگال سے کوئی ہلچل پیدا ہوئی اور نہ ہی قیام مسلم لیگ اور منٹو مارلے اصلاحات سے کوئی اثر ہوا۔ یہ علاقہ کانگریس اور لیگ کے درمیان ہونے والے میثاقِ لکھنؤ کے اثرات سے بھی کم ہی مستفید ہوا۔ پہلی جنگِ عظیم جس میں ترکی ایک فریق تھا اُس کی وجہ سے پہلی مرتبہ یہاں کے سیاسی ماحول میں ارتعاش پیدا ہوا۔ ہندوستان میں رہنے کے باوجود مسلمانوں کے جذبات خلافت ترکیہ کے ساتھ تھے جبکہ ہندو اظہار یکجہتی کے طور پر مسلمانوں کا ساتھ دے رہے تھے۔ ۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کا باقاعدہ آغاز ہوا تو مانسہرہ کے لوگ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولوی محمد اسحٰق، مولوی محمد عرفان اور غلام رسول خان یہاں اس تحریک کے روحِ رواں تھے۔ انہوں نے عدالتوں کے بائیکاٹ، غیر ملکی اشیاء کی خرید وفروخت پر پابندی اور انگریز اداروں سے مقاطعہ کا فیصلہ کیا۔ نتیجتاً لوگوں نے عدالتوں سے رجوع کرنا چھوڑ دیا۔ سبھی جھگڑے اور تصفیہ طلب امور قومی جرگوں میں طے ہونے لگے۔۳۵ غیر ملکی مال کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا اور تحریک خلافت یہاں اس درجہ کامیابی سے چلنے لگی کہ سارے ضلع میں انگریز اقتدار معدوم ہوتا نظر آیا۔ مانسہرہ میں عملاً حکومت کی عملداری ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ ڈھوڈیال اور شنکیاری میں خلافت والوں نے اپنے تھانے قائم کئے انتظامی امور کی نگرانی کیلئے تحصیلدار بھی مقرر ہوئے۔ جب سرکاری ملازمین کے فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹیں کھڑی کی گئیں تو حالات کو کنٹرول کرنے کیلئے حکومت نے فوج طلب کرنے کے ساتھ ساتھ کرفیو بھی لگا دیا۔ تحریک کے رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیل میں ڈالا گیا اور بعد میں ضلع بدر کردیا گیا۔ ۳۶

اس سے قبل ہندوستان میں ہونے والے سیاسی واقعات سے مانسہرہ لاتعلق رہا کرتا تھا لیکن

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں ہونے والی تبدیلیوں سے یہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔تحریک خلافت نے مقامی لوگوں کے شعور کو بیدار کرنے میں اہم کردارادا کیا۔ یہ اس دور کی پہلی بڑی سیاسی سرگرمی تھی جس میں لوگوں نے پر جوش انداز سے حصہ لیا۔ مقاصد کے حصول کے لئے ان کے ہاتھ احتجاجی سیاست کا ایک نیا ہتھیا رآیا۔اس ہتھیا ر اور طریقہ کار سے پہلے وہ ناواقف تھے۔اگرچہ یہ تحریک ناکام ہوئی لیکن لوگوں کی سیاسی تربیت اورشعو ر کی بیداری میں اپنا حصہ ڈال گئی۔

اس علا قہ کے لوگ قومی سیاسی دھارے سے طویل عرصے تک دور رہے۔کانگریس اور لیگ کی سیاسی سرگرمیاں باقی صوبوں میں جاری تھیں لیکن سرحد تک انہوں نے اپنا پیغام ابھی تک نہیں پہنچایا تھا۔ اپنی طرف متوجہ کرنے میں کانگریس لیگ پر سبقت لے گئی جب اس نے ۱۹۲۹ء میں اپنا ایک اہم اجلاس لاہور میں منعقد کیا۔اس اجلاس میں کانگریس نے مکمل آزادی کو اپنی منزل قراردیا۔ لاہور کے اجلاس میں مانسہرہ سے غلام غوث ہزاروی اور ملک امیر عالم اعوان جبکہ ہری پور سے حکیم عبدالسلام اور ایبٹ آباد سے ملک فقیرخا ن شامل ہوئے۔۳۷ یوں کانگریس اس علاقے سے اپنا تعلق جوڑنے میں لیگ سے بازی لے گئی۔

اپنے مقصد کے حصول کیلئے کانگریس نے ۱۹۳۰ء میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی تو مانسہرہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ عبدالغفار خا ن سرحد میں کانگریس کا اہم نمائندہ تھا جس نے خُدائی خدمتگار نامی تنظیم بھی بنا رکھی تھی۔ غفار خان کی قیادت میں اس تنظیم کا پہلا جلسہ مانسہرہ میں۱۹۳۰ء میں منعقد ہوا۔یہ کانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک کا حصہ تھا۔ فقیر خان یہاں کی سرگرمیوں کے منتظمین میں سے ایک تھا۔ اسے پولیس نے باقی ساتھیوں سمیت نقص امن کے الزام میں گرفتار کیا لیکن جلد ہی گاندھی اروِن معاہدے کے نتیجے میں رہائی ملی۔اس معاہدے کے نتیجے میں کانگریس کو مطلوبہ نتائج حاصل نہ ہوئے لہٰذا اس نے دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی۔اس مرتبہ نقص امن کی پاداش میں مانسہرہ سے کارکنوں کے علاوہ چار اہم لیڈر گرفتار ہوئے۔ان میں فقیر خان،خان زمان خان،میاں عبدالقیوم اور مولانا ہزاروی شامل تھے۔ ان لوگوں کو ایک سال جیل کاٹنے کے بعد ۱۹۳۲ء میں رہائی ملی۔۳۸ تحریک خلافت کے بعدکانگریس کی سول نافرمانی کی تحریک مانسہرہ کے عوام کی زندگی میں دوسرا اہم سیاسی واقعہ تھا جس میں انہیں شرکت کرنے کا موقع ملا۔ اگرچہ یہ

تحریک وہ ماحول پیدا نہ کرسکی جو تحریک خلافت نے کیا تھا لیکن کانگریس کو یہاں قدم جمانے کا موقع فراہم کرگئی۔

صوبہ سرحد عرصے سے سر زمین بے آئین چلا آرہا تھا۔ آخر کار حکومت نے یہاں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ اصلاحات ۱۹۳۲ء میں نافذ کی گئیں جس کے نتیجے میں یہاں ایک مجلس قانون ساز وجود میں آئی۔ اس کے انتخابات میں کانگریس نے حصہ نہ لیا جس کی وجہ سے مجلس کے سارے ارکان آزاد حیثیت سے منتخب ہوئے۔ سر صاحبزادہ عبدالقیوم کی قیادت میں حکومت بنی جو ۱۹۳۷ء کے انتخابات تک قائم رہی۔ ۱۹۳۲ء کی مجلس قانون ساز کیلئے مانسہرہ سے عبدالقیوم خان سواتی اور خان محمد عباس خان منتخب ہوئے تھے۔[۳۹]

۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جب صوبائی مجلس قانون ساز کیلئے الیکشن کا اعلان ہوا تو یہاں بھی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔مانسہرہ میں تین سیٹوں کیلئے انتخاب ہونا تھا جن پر مقابلے کیلئے مختلف امیدواروں نے کاغذات جمع کروائے۔ اس الیکشن میں کامیاب ہونے والے تینوں ارکان پارٹی وابستگی رکھتے تھے۔خان محمد عباس خان اور خان صاحب عطائی خان کا تعلق ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی سے تھا جبکہ فقیر خان کانگریس پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی کے کل چار ارکان منتخب ہوئے تھے۔اس پارٹی نے ابتداء میں صاحبزادہ عبدالقیوم خان کو حمایت دی لیکن جب کانگریس صاحبزادہ کے خلاف عدم اعتماد کروانے میں کامیاب ہوئی تو ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی کو کانگریس نے اپنی حکومت کا حصہ بننے پر راضی کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب کی پہلی کانگریس وزارت میں مانسہرہ کے خان محمد عباس خان وزیر جنگلات بنے۔[۴۰]

مانسہرہ میں اب تک مسلم لیگ نہیں پہنچ پائی تھی لیکن اس کی غیر موجودگی کے باوجود کانگریس بھرپور فائدہ نہ اٹھا سکی۔غالباً غفار خان کی لسانی سیاست مانسہرہ کے لوگوں کی اکثریت کو قائل نہ کرسکی تھی۔ یہی وجہ کہ عباس خان اور عطائی خان نے ہزارہ ڈیموکریٹک پارٹی جو کہ ایک علاقائی پارٹی تھی کے پلیٹ فارم سے الیکشن لڑا اور مانسہرہ کے لوگوں کی اکثریت کو کانگریس سے دور رکھنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ کانگریس کی حکومت میں شمولیت کی وجہ ان کی پارٹی کا اس سے حکومتی اور پارلیمانی اتحاد تھا۔ انڈیا کی جنگ عظیم دوئم میں شمولیت پر کانگریس نے وزارتوں سے بطور احتجاج ۱۹۳۹ء میں استعفیٰ

دے دیا۔ وزارت کے استعفیٰ کی وجہ سے صوبے میں حکومت نے گورنر راج نافذ کر دیا۔

مانسہرہ میں مسلم لیگ کی آمد بہت تاخیر سے ہوئی۔خان بہادر علی گوہر خان نے اسکی بنیاد ۱۹۴۰ء میں قراردادِ لاہور پاس ہونے کے بعد رکھی۔[۴۱] قیام کے بعد مسلم لیگ نے یہاں اپنی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ جلد ہی لیگ یہاں قدم جمانے میں کامیاب ہوگئی اور اس کی حمایت و مقبولیت میں روز بہ روز اضافہ ہونے لگا۔کانگریس نے۱۹۴۲ء میں جب ''ہندوستان چھوڑدو'' تحریک شروع کی تو لیگ اس سے لاتعلق رہی۔اس دوران وہ اپنا پیغام لوگوں تک پہنچانے میں منہمک رہی۔اپنی تمام تر کوششوں کے باوجودلیگ مانسہرہ سے کانگریس کے پاؤں مکمل طور پر نہ اکھاڑ سکی جبکہ ایبٹ آباد اور ہری پور سے کانگریس کا مکمل صفایا کردیا گیا تھا۔

جنگ عظیم دوئم کے خاتمے پر ہندوستان میں نئی سیاسی صف بندیاں ہونے لگیں۔ جب انتخابات قریب آئے تو دونوں بڑی پارٹیاں اپنے اپنے پروگرام کے ساتھ میدان میں اتریں۔ ان انتخابات میں سیاسی پارٹیوں کے پاس اہم نقطہ ہندوستان کی آزادی تھا۔کانگریس متحدہ ہندوستان کی آزادی کی طلبگار تھی جبکہ لیگ مذہبی بنیادوں پر ملک کی تقسیم چاہتی تھی۔

مانسہرہ میں الیکشن مہم کے دوران پاکستان کانفرنس کا انعقاد ۲۴-۲۶دسمبر۱۹۴۵ء کو کیا گیا۔اس کانفرنس کے روحِ رواں خان محمد عباس خان محمد افضل خان آف گیندر پور اور مفتی ادریس تھے۔ عباس خان نے پرچم کشائی کی اور بعد میں کانفرنس سے خطاب کیا۔افضل خان اور مفتی ادریس بھی خطاب کرنے والوں میں شامل تھے۔ ان مقررین نے پاکستان سکیم کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور مسلمانوں کو کانگریس چھوڑ کر لیگ میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ آئندہ الیکشن میں مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو ووٹ ڈالنے کا کہا اور کانگریس کی پالیسی کو مسلم دشمن کہتے ہوئے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔اس دوران مسلم نیشنل گارڈز نے بازار میں پریڈ کی اور پٹاخے چھوڑے۔اس کانفرنس کے مقررین نے مسلمانوں کواتحاد ویکجہتی کی تلقین کی تاکہ منزل تک پہنچا جا سکے۔[۴۲] یہی پیغام الیکشن کے انعقاد تک یہاں کے لیگی رہنماعوام تک پہنچاتے رہے۔جب الیکشن کے نتائج آئے تو مانسہرہ کی تین میں سے دو سیٹوں پر مسلم لیگ کامیاب ہوئی جبکہ ایک سیٹ کانگریس کے حصے میں گئی۔ لیگ کے ٹکٹ پر خان محمد عباس خان اور حاجی علی گوہر خان آف تاتار منتخب ہوئے جبکہ کانگریس کے ٹکٹ پر عبدالقیوم خان آف

سفیدہ منتخب ہوئے۔[۴۳] سرحد میں کانگریس مجموعی طور پر اکثریتی پارٹی کے طور پر سامنے آئی لہٰذا ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں کانگریسی وزارت قائم ہوئی۔

سرحد میں لیگ ایک بڑی پارٹی کی حیثیت سے ضرور اُبھری لیکن وہ حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ۳۶ مسلم نشستوں میں سے اس نے صرف ۱۷ جبکہ کانگریس نے ۱۹ نشستیں حاصل کی تھیں۔ مجموعی طور پر ایوان میں کانگریس کے پاس ۵۰ میں سے ۳۰ نشستیں تھیں۔ نتیجتاً کانگریسی وزارت قائم ہوئی۔لیکن جلد ہی ہندوستان کی سیاست میں ڈرامائی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ ان تبدیلیوں کے اثرات یہاں بھی محسوس ہونے لگے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے لیگ نے ۱۶/اگست ۱۹۴۶ء کو یوم راست اقدام منانے کا اعلان کردیا۔ غیر آئینی طریقے سے مقصد تک پہنچنے کا فیصلہ لیگی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔بہرحال مانسہرہ میں یوم راست اقدام پُرامن طور پر منایا گیا۔[۴۴]

یوم راست اقدام یہاں تو پُرامن رہا لیکن بنگال اور بہار میں ہزاروں زندگیوں کے چراغ گل کر بیٹھا۔بہار کے واقعات نے سرحد کی سیاست میں ہلچل پیدا کردی۔صوبہ بہار سے مسلم کش فسادات کی خبریں یہاں پہنچنے لگیں۔لیگ نے یہاں باقاعدہ مہم چلا کر لوگوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں جنھوں نے بہار میں مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ جلسوں اور نجی محفلوں میں لیگی رہنما اور کارکن اسی بات کا پرچار کرتے رہتے تھے۔لیگ کی اس حکمت عملی نے جلد ہی رائے عامہ کو اس کے حق میں تبدیل کردیا۔ رائے عامہ کو بدلنے میں مسلم پریس کا بھی ہاتھ تھا۔[۴۵] اس تبدیلی سے یہاں کی اقلیتیں خوفزدہ ہوگئیں۔ ۷ اور ۸ دسمبر ۱۹۴۶ء کو مقامی قبائلیوں نے بٹل اور اوگی کے بازاروں پر حملہ کیا اور غیر مسلموں کی دکانیں لوٹنے کے بعد جلا ڈالیں۔ اس واقعہ نے اقلیتوں کو مزید خوف زدہ کر دیا اور وہ یہاں سے نقل مکانی کرنے لگے۔بٹل اور اوگی کے واقعات کے چند دن بعد جس گاڑی میں یہ غیر مسلم یہاں سے نکل رہے تھے اس پر حملہ کیا گیاجس میں ۱۴ آدمی مارے گئے جبکہ ۲۷ زخمی ہوئے جن میں سے زیادہ تر بچے اور عورتیں تھیں۔غیر مسلم اس واقعے کے بعد اپنے آپ کو مانسہرہ میں غیر محفوظ سمجھنے لگے اور مظفر آباد اور ہری پور کی طرف ہجرت شروع کردی۔جن قبائلیوں نے لوٹ مار اور قتل و غارت میں حصہ لیا تھا حکومت نے ان پر جرمانہ عائد کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں سخت کاروائی کی دھمکی دی۔ دفعہ ۱۴۴ کے ساتھ ساتھ پبلک سیفٹی ایکٹ بھی بعض جگہوں پر نافذ کر دیا گیا۔ لیگی قیادت نے حکومت

کے اس اقدام کو مسلم دشمنی سے تعبیر کیا اور کہا کہ جب بہار میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا تو حکومت خاموش رہی اور کسی پر کوئی جرمانہ عائد نہ کیا گیا۔بہار کے مقابلے میں سرحد میں کانگریسی حکومت کی پالیسی مختلف ہے۔[۴۶] مانسہرہ کے عوام لیگ کی اس مہم کے حصار میں رہے اور آج تک اس دور کی کانگریسی پالیسی اور غفار خان کی سیاسی سوچ کے ناقد ہیں۔

لیگی پروپیگنڈے نے سرحد میں الیکشن کے بعد رائے عامہ کو کافی حد تک تبدیل کردیا تھا۔ اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ اگر دوبارہ الیکشن ہوں تو وہ جیت جائے گی لہٰذا اس نے سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک کا آغاز کر دیا۔ لیگ کا الزام تھا کہ کانگریس کی حکومت مسلم کش پالیسی پر گامزن ہے اور اس نے ایک نومسلم لڑکی کو جبراً سکھوں کے حوالے کردیا ہے۔ اس لڑکی کی واپسی کے مطالبے کے ساتھ ۲۱ فروری ۱۹۴۷ء سے سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوگئی۔[۴۷]

مانسہرہ میں لیگ کے سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں نے سول نافرمانی کی تحریک میں بھر پور حصہ لیا۔تحریک کی ابتداء سے ہی بڑے بڑے کامیاب جلوس نکالے گئے۔عدالتوں اور پولیس سٹیشنوں پر حملے کئے گئے، پتھراؤ کیا گیا اور سرکاری اہلکاروں کو کام کرنے سے روکا گیا۔عوام نے ان احتجاجی سرگرمیوں میں بھر پور حصہ لیا اور دفعہ ۱۴۴ کو نظرانداز کرتے ہوئے احتجاجی تحریک کو کامیاب بنانے کی ہرممکن کوشش کی گئی۔ مانسہرہ شہر، بفہ،شنکیاری اور گڑھی حبیب اللہ میں تھانوں پر مسلسل پتھراؤ کیا جاتا رہا اور بڑے بڑے احتجاجی جلوس نکالے جاتے رہے۔[۴۸]

اس دوران مسلم لیگ کی مرکزی قیادت نے مانسہرہ کے دورے شروع کئے۔ان رہنماؤں نے مختلف مقامات پر جلسوں سے خطاب کیا اور احتجاج کو پر امن رکھنے اور فرقہ وارانہ تشدد سے باز رہنے کی تلقین کی۔ اس دوران راجہ غضنفر علی خان اور سردار عبدالرب نشتر مانسہرہ کے دورے پر آئے اور لیگ کی رابطہ عوام مہم اور سول نافرمانی کی تحریک کو تقویت دی۔[۴۹] وقت کے ساتھ ساتھ احتجاجی تحریکیں اپنی طاقت کھو دیتی ہیں لیکن لیگ کی سول نافرمانی کی تحریک کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ صورتحال کا مشاہدہ کرنے کے لئے وائسرائے ہند ماؤنٹ بیٹن خود سرحد تشریف لائے۔ وائسرائے تک اپنا پیغام پہنچانے کیلئے لیگ نے ایک بہت بڑا جم غفیر پشاور میں اکٹھا کیا تھا۔مانسہرہ سے بھی بڑی تعداد میں لوگ اس جلوس میں شریک ہوئے تھے۔اس جلوس کو دیکھنے کے بعد وائسرائے کو فیصلہ کرنے میں آسانی

ہوئی کیونکہ اسے معلوم ہوگیا تھا کے سرحد کی عوام کیا چاہتے ہیں۔ یہ جلسہ دیر تک پاکستان زندہ باد اور ماؤنٹ بیٹن زندہ باد کے نعرے لگاتا رہا اورپھر پرامن طور پر منتشر ہوگیا۔۵۰ وائسرائے کے واپس جانے کے بعد بھی سول نافرمانی کی تحریک جاری رہی۔ یہ تحریک تین جون ۱۹۴۷ء کے اعلان تقسیم بند کے ساتھ اختتام پذیر ہوئی لیکن اس وقت تک بشمول ہزارہ سرحد بھر میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں دراڑیں پڑ چکی تھیں۔

تین جون کے اعلان کے تحت سرحد میں ریفرنڈم کے ذریعے فیصلہ ہونا تھا کہ آیا وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتا ہے یا کہ ہندوستان میں۔ ریفرنڈم میں کامیابی کو یقینی بنانے کے لئے لیگ کی مرکزی قیادت نے سرحد کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ اس مہم کے دوران راجہ غضنفر علی خان، مولانا شبیر احمد عثمانی اور عبدالحامد بدایونی نے مانسہرہ کے دورے کئے اور عوام کو پاکستان کے لئے ووٹ ڈالنے کا کہا۔ مسلم لیگ کے مقامی رہنما عباس خان اور حاجی علی گو ہر خان بھی دوسرے لیگی رہنماؤں کے ساتھ بھر پور مہم چلا رہے تھے۔ اس مہم کے دوران یہاں عوام کو باقی مسلمان اکثریت والے صوبوں کے ساتھ متحد ہو کر مضبوط پاکستان حاصل کرنے کی تلقین کی جاتی رہی۔ کانگریس اور غفار خان پر سخت تنقید کی جاتی رہی اور پختونستان کے مطالبے کو لیگی رہنماؤں نے مسلمانوں کے خلاف سازش قرار دیا۔ اس دوران مسلم نیشنل گارڈز کے رضا کار برچھیاں تلواریں اور بندوقیں اٹھا کر گشت کرتے تھے۔۵۱ ریفرنڈم مہم کے دوران مانسہرہ میں بڑی تعداد میں جلسے اور جلوس منعقد کئے گئے جن میں لوگوں کی بڑی تعداد شامل ہوتی۔ ۲۰ جولائی ۱۹۴۷ء کو جب نتیجہ آیا تو معلوم ہوا کہ یہاں سو فیصد ووٹ پاکستان کے حق میں ڈالے گئے تھے۔۵۲

۱۴راگست ۱۹۴۷ء کو جب آزادی کی صبح طلوع ہوئی تو مانسہرہ میں بڑے پیمانے پر آزادی کی تقریبات کا انعقاد کیا گیا۔ لوگوں نے بازار سجائے اور مسلم نیشنل گارڈز نے جھنڈے اٹھا کر بازاروں کا گشت کیا۔۵۳ آزادی کی سحر یہاں کی اقلیتوں کے لئے خوشیوں کا سبب نہ بن سکی۔ ایک طرف خوشیاں اور جشن تھا لیکن دوسری طرف جان بچا کر یہاں سے بھاگنے کی تدبیریں ہو رہی تھیں۔ افراتفری کے اس عالم میں بہت سے لوگ اپنی جان وماں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔انسان جب اپنے مقام سے گرتا ہے تو وحشی درندوں سے بھی زیادہ خون خوار ہو جاتا ہے۔شمال مغربی برصغیر کے ہندو، سکھ اور مسلمان سب

اس وحشت اوردرندگی کا شکار ہوئے۔جہاں جس کا بس چلا اس نے زیادتی کی۔مانسہرہ کے حالات بھی اس سے مختلف نہ تھے۔

قیامِ پاکستان کے بعد

آزادی کے بعد نئے مسائل نے جنم لیا۔کشمیر سے حالات کی خرابی کی خبریں آنے لگیں۔مولوی میر عالم تحصیل باغ سے مانسہرہ پہنچے اور یہاں ایک بڑے جلسے سے خطاب میں مہاراجہ کشمیر کے دستوں کی زیادتیوں کے بارے میں بتایا۔۵۴ اُن کی جذباتی تقریر نے لوگوں میں ہیجانی کیفیت پیدا کر دی۔ لوگ کشمیر میں جہاد کی تیاریاں کرنے لگے۔جب آزادی کشمیر کیلئے مجاہدین کشمیر میں داخل ہوئے تو ان میں ایک بڑی تعداد مانسہرہ کے لوگوں کی تھی۔۵۵

مملکت خداداد میں آزادی کے بعد مرکز سے صوبوں تک مسلم لیگ کی حکومتیں تھیں۔کانگریس اپوزیشن جماعت تھی لیکن اقلیتوں کا نمائندہ ہونے کی وجہ سے ملکی سیاست میں کلیدی کردار ادا کرنے سے قاصر تھی۔قیوم خان ۲۲راگست ۱۹۴۷ء کو سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے اور پارٹی پر اس نے اپنی گرفت مضبوط کی۔ قیوم خان سے اختلاف رکھنے والوں کیلئے پارٹی میں کوئی جگہ نہ تھی۔ لیگ کے کچھ رہنماؤں کو قیوم خان کا یہ رویہ پسند نہ آیا اور انہوں نے پیر مانکی کی قیادت میں عوامی لیگ کی بنیاد رکھی۔خان محمد عباس خان کے بھائی ہارون خان بھی ان رہنماؤں میں شامل تھے جنھوں نے عوامی لیگ کے پلیٹ فارم سے ۱۹۵۱ء کا صوبائی مجلس قانون ساز کا انتخاب لڑا۔ اس الیکشن میں وہ بھوگڑمنگ کے خداداد خان کے مقابلے میں ہار گئے جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب لڑ رہے تھے۔باوجود سرتوڑ کوشش کے عوامی لیگ مانسہرہ میں سیٹ نہ حاصل کرسکی۔ اپوزیشن نے حکومت پر انتخابات میں دھاندلی کا الزام بھی لگایا لیکن اس سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ حاصل نہ کیا جاسکا۔۵۶ سرحد کی طرح باقی صوبوں میں بھی مسلم لیگ کا انتخابات کے دوران اسی طرح کا رویہ رہا۔جمہوری اقدار کی غیر موجودگی اور ناتجربہ کاری اس آمرانہ رویے کا سبب تھے۔

جمہوریت کی بساط لپیٹنے کے بعد اس وقت کے حکمرانوں نے سیاسی پارٹیوں اور ان کی سرگرمیوں پر مکمل پابندی لگادی۔ان پابندیوں کی بدولت مسلم لیگ کی سابقہ قیادت پس منظر میں چلی گئی۔ ان پابندیوں کا اثر مانسہرہ کی سیاست پر بھی ہوا۔ ۱۹۶۲ء میں ایوب خان کی بی ڈی (Basic

Democracy) پالیسی کے ذریعے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے جو انتخابات ہوئے ان میں کوئی سابقہ لیگی یہاں سے حصہ نہ لے سکا۔ اسطرح نئے چہروں کو سامنے آنے کا موقع ملا۔ مولانا ہزاروی اور حنیف خان اس دور کے اہم نام ہیں۔ مولانا ہزاروی کی انتخابی جیت نے یہاں جمعیت علماء اسلام کے لئے راستہ ہموار کیا۔ حنیف خان اس دور میں وفاقی پارلیمانی سیکرٹری خزانہ رہے۔۵۷

ایوب خان کے خلاف احتجاجی تحریک میں مانسہرہ نے بھی اپنا حصہ ڈالا۔ احتجاجی تحریک کے نتیجے میں ایوب خان تو اقتدار سے رخصت ہو گئے لیکن اپنے پیچھے ایک اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر چھوڑ گئے۔ یحییٰ خان نے ۱۹۷۰ء میں آزادی کے ۲۳ سال بعد پہلے عام انتخابات کروائے۔ ان انتخابات میں مانسہرہ سے قیوم لیگ نے دو صوبائی نشستیں حاصل کیں جبکہ جمعیت نے ایک صوبائی اور ایک مرکزی نشست حاصل کی۔ مزمل شاہ اور ہارون خان قیوم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے جبکہ حق نواز خان جمعیت کے اُمیدوار کی حیثیت سے صوبائی اسمبلی کے ممبر بنے۔ مولانا ہزاروی نے قومی اسمبلی کی واحد سیٹ پر کامیابی حاصل کی تھی۔ ۵۸ ان انتخابات کے نتائج سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مانسہرہ میں جمعیت نے بھی اہمیت حاصل کرنا شروع کردی تھی۔ اس الیکشن میں پاکستان پیپلز پارٹی یہاں کوئی خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہ کرسکی۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد باقی ماندہ پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت بنی۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مانسہرہ سے نمائندگی حاصل کرنے والی تمام شخصیات پیپلز پارٹی کی اتحادی رہیں۔ پیپلز پارٹی حکومت نے یکم اکتوبر ۱۹۷۶ء کو مانسہرہ کو ضلع کا درجہ دے دیا جو اس وقت دو تحصیلوں پر مشتمل تھا۔ بعد کی حکومتوں نے وقت کے ساتھ ساتھ مزید انتظامی تبدیلیاں کیں اور اس کی بٹگرام تحصیل کو علیحدہ ضلع بنادیا گیا جبکہ مانسہرہ کو انتظامی لحاظ سے تین تحصیلوں میں تقسیم کردیا گیا۔ کالا ڈھاکہ کو ہمیشہ کی طرح مانسہرہ کا حصہ ہی رہنے دیا گیا۔

۱۹۷۷ء میں جب الیکشن ہوئے تو مانسہرہ کی تمام صوبائی و قومی نشستوں پر پیپلز پارٹی کے اُمیدوار کامیاب ہوئے۔ نتائج کے آتے ہی اپوزیشن جماعتوں کے اتحاد نے احتجاجی تحریک کا اعلان کردیا۔ اپوزیشن نے حکومت پر دھاندلی کا الزام لگایا اور نئے انتخابات کا مطالبہ کیا۔ مانسہرہ میں بھی قومی اتحاد کے احتجاجی جلسے اور جلوس ہوئے۔ مانسہرہ والوں کو احتجاجی سیاست کی تربیت تحریک خلافت،

کانگریس کی ۱۹۳۰ء کی سول نا فرمانی کی تحریک اور لیگ کی ۱۹۴۷ء کی سول نا فرمانی کی تحریک نے دی تھی۔ قومی اتحاد کی تحریک جہاں پیپلز پارٹی کو اقتدار سے گرانے میں کامیاب ہوئی وہیں جمہوریت کے پودے کو اکھاڑنے کا سبب بھی بنی۔

مارشل لاء لگنے کے بعد پیپلز پارٹی کے سارے رہنما پسِ منظر میں چلے گئے۔پارٹی کو۱۹۷۷ء کے انتخابات کے نتیجے میں یہاں قدم جمانے کاجوموقع ملا تھا مارشل لاء کے نفاذ نے اُس سے چھین لیا۔ ضیاء الحق کا مارشل لاء پیپلز پارٹی کے رہنماؤں اور کارکنوں کے لئے ایک عذاب سے کسی طرح کم نہ تھا۔ اس دوران اُنہیں مسلسل تنگ کیا جاتا رہا اور اُن کی کردار کُشی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا گیا۔ان حالات میں پارٹی کے مقامی رہنماؤں نے سیاست سے دوری میں ہی عافیت سمجھی۔**۵۹**

ضیاء دور میں یہاں مسلم لیگ کو بڑا فائدہ ہوا۔ چونکہ اس پارٹی کو ضیاء الحق کی فوجی حکومت کی حمایت حاصل تھی اس لیے اس کی سیاسی سرگرمیاں جاری رہیں۔ جس سے لوگوں کے ساتھ اس کا رابطہ نہ صرف برقرار رہا بلکہ مزید بڑھا۔یہی وجہ ہے کہ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۷ء کے انتخابات میں مسلم لیگ ہی یہاں کی کامیاب پارٹی ٹھہری۔ اس دوران جمیعت علماء اسلام بھی اپنے ووٹ بینک کو بچانے کے جتن کرتی رہی لیکن اس کا کوئی نمائندہ اسمبلی تک نہ پہنچ سکا۔

مشرف کی آمریت کے دوران بھی یہاں لیگ کا پلڑا بھاری رہا۔جمیعت اور پیپلز پارٹی نے ۲۰۰۸ء کے الیکشن میں یہاں سے ایک ایک صوبائی اسمبلی کی سیٹ پرکامیابی حاصل کی۔ ان انتخابات میں بھی لیگ کا پلڑہ بھاری رہا۔قومی اسمبلی کی دونوں سیٹیں لیگ کوملیں جبکہ صوبائی نشستوں کا نتیجہ متفرق رہا۔

ماحصل

مانسہرہ تاریخ کے مختلف ادوار سے گزرا ہے۔یہ علاقہ مستقلاً کبھی کسی ایک ریاست کا حصہ نہیں رہا۔ایک انتظامی اکائی کی حیثیت سے اسکی سرحدیں ہمیشہ سکڑتی اورپھیلتی رہیں۔مقامی مخاصموں اور بیرونی حملہ آوروں کی وجہ سے یہاں وقتاًفوقتاً حکومتیں بدلتی رہیں اور اقتدار ایک سے دوسرے کومنتقل ہوتا رہا۔یہ سلسلہ اٹھارھویں صدی میں انگریزوں کی یہاں آمد تک چلتا رہا۔اُن سے قبل یہ علاقہ مختلف راجوں ،مہاراجوں اور بادشاہوں کے زیرِ تسلط رہا۔ ان حکمرانوں کا تعلق ہندو مت، بدھ مت اور اسلام سے تھا۔ان سب کا طرزِ حکومت آمرانہ رہاجبکہ انگریزوں نے یہاں کے لوگوں کو جمہوری اداروں سے

روشناس کرایا اوریوں ایک ایسے طرز حکومت کی بنیاد پڑی جس سے یہاں کے لوگ پہلے واقف نہ تھے۔

ہر دور میں یہاں کے حکمرانوں کی اولین ترجیح عوام کو اندرونی اور بیرونی خطرات سے محفوظ رکھنا ہوتا تھالیکن اکثر اوقات وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو پاتے تھے۔کمزور حکومتی مشینری کی وجہ سے یہاں کے لوگ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہے ہیں۔انہیں اپنی جان اور مال کی حفاظت خود کرنی پڑتی تھی۔ انیسویں صدی میں جب انگریز حکمران یہاں آئے تو با صلاحیت اور جدید تربیت یافتہ انتظامی مشینری کی وجہ سے لوگ اپنے آپ کو پہلے کے مقابلے میں زیادہ محفوظ سمجھنے لگے۔اس تبدیلی نے یہاں کے لوگوں کی زندگی کو ایک نیا رخ اور سمت دی۔اب وہ جدید دور اور اس کے تقاضوں سے روشناس ہونے لگے تھے۔

تاریخی طور پر یہاں کے لوگ تین بڑے مذاہب کے پیر وکار رہے ہیں۔ ہندومت یہاں کا قدیم ترین مذہب رہا۔ تاہم کچھ عرصے کیلئے اسے زوال کا سامنا کرنا پڑااور اس درمیانی عرصہ میں بدھ مت کو عروج حاصل ہوا۔نشاۃ ثانیہ کے بعد ہندو مت ایک مرتبہ پھر یہاں کا معروف مذہب بن گیا۔مسلمانوں کی آمد تک یہ یہاں کا سب سے بڑا مذہب تھا۔پندرھویں اور سولہویں صدی میں مسلمانوں کی آمد کے ساتھ اسلام یہاں متعارف ہوا۔مسلم حکومت کے قیام کے بعداسلام رفتہ رفتہ اس علاقے کا اکثریتی مذہب بن گیا۔انگریزوں کی یہاں آمدعیسائیت کیلئے کوئی خاص مواقع پیدا نہ کرسکی۔لہٰذا نئے حکمرانوں کامذہب مانسہرہ میں اپنے لیئے کوئی جگہ نہ بنا سکا۔

مانسہرہ کے لوگوں کی زندگیوں میں مذہب کا ہمیشہ بڑا عمل دخل رہا ہے۔جب یہاں جمہوری سیاست کا آغاز ہوا تو مذہب ایک اہم عنصر کے طور پر سیاست کا حصہ بنا۔آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد یہاں کی سیاست زیادہ تر مذہبی حصار میں مقیدرہی۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی لسانی یا سیکولر سیاسی جماعت اب تک یہاں قدم جمانے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ مذہب کے ساتھ ساتھ قبائلی وابستگی اور شخصیت بھی یہاں کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں ۔جمہوری سیاست کے آغاز سے لے کر آج تک شخصیت اور قبائلی تعلق مانسہرہ کی سیاست کا اہم عنصر رہا ہے۔اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ نظریات اور پارٹی وابستگی سے زیادہ شخصیت اور قبائلی وابستگی انتخابی نتائج پر اثر انداز ہوتے رہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مانسہرہ کی سیاست میں پارٹیوں اور پارٹی نظریات کی کم ہی گنجائش رہی ہے۔جس پارٹی کو مضبوط اُمیدوار دستیاب ہوئے وہ کامیاب ٹھہری۔

حوالہ جات

1. *1998 District Census Report of Mansehra,* Populauton Census Organization, Statistics Division, Government of Pakistan, Islamabad, 2000. p.1.

۲- ایضاً، ص ۲۳۔

3. Akbar S. Ahmad, *Mansehra: A Jouney*, Feroz Sons Ltd., Lahore, 1973, p.9.
4. Ghulam Mustafa, "Mansehra: An Introducion". *Science Religion Dialogue*, 1:2, Spring 2003, p.112.
5. Vincent A.Smith, *The Oxford History of India.* Oxford University Press, Karachi, 1981, pp. 121-23.

۶- محمد ارشاد خان، تاریخ ہزارہ، اعراب پبلشرز، پشاور، ۱۹۷۶ء، ص ۳۷۔

7. H.D. Watson, *Hazara Gazetteer,* Sarhad Urdu Academy, Abbottabad, 1992, pp. 119-20.

۸- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، تاریخ ہزارہ، دارالشفاء، ایبٹ آباد، ۱۹۸۰ء، ص ۴۹۔

۹- دائرہ معارف اسلامی، جلد ۲۳، ص ۱۴۹۔

10. Mustafa, p. 114.
11. Vdia Dhar Mahajan, *The Delhi Sultanat,* Chand & Company Ltd., New Delhi, n.d, p. 237.
12. Watson, p. 122.

۱۳- ڈاکٹر شیر بہادر پنی، ص ۲۸۵۔

14. Akbar S. Ahmad, p. 6.
15. Bakhr Jamal, "The Swatis in Hazara" (M.A Thesis submitted at Department of Pakistan Studies, Govt. Postgraduate College Mansehra, 1999), pp. 5-6.

۱۶- پروفیسر محمد اختر، تاجک سواتی و مملکت گبر تاریخ کے آئینے میں، سرحد اردو اکیڈمی، ایبٹ آباد، ۲۰۰۲ء، ص ص ۳۸۱۔۳۹۳۔

17. Watson, p. 123.

۱۸- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، ص ص ۵۲-۵۳۔

19. Muhammad Abid Hussain Shah, "The Role of Hazara in Pakistan Movement" (M.A Thesis submitted at Pakistan Study Centre, University of Peshawar, 1992), p. 26.

۲۰- سید ابوالحسن ندوی، سید احمد شہید، حصہ دوم، سعید ایم۔ ایچ کمپنی، کراچی، ۱۹۷۴ء، ص ص۔ ۱۹-۲۰۔

21. Muhammad Aslam, "The Rulers of Amb State", (M.A Thesis submitted at Department of Pakistan Studies, Govt. Postgraduate College, Mansehra, 1994), p. 20.
22. Watson, p. 130.

۲۳- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، ص ص۔ ۱۴۸-۱۴۹۔

۲۴- ندوی، ص۔ ۳۷۰۔

۲۵- ایضاً، ص ص۔ ۴۳۲-۴۴۳۔

۲۶- نرسنگداس نرگس، تاریخ ڈوگر دیس، چاند پبلشنگ ہاؤس، جموں، ۱۹۶۷ء، ص۔ ۴۱۱۔

۲۷- ایضاً۔

28. Peter Hopkirk, *The Great Game*, John Murrey Publishers, London, 2006, pp. 219-25.
29. Watson, p. 162.
30. *Gazetteer of Hazara District 1983-4*, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2000, pp. 34-5.
31. Akbar S.Ahmad, p. 31.
32. *Gazetteer of Hazara*, pp. 35-8.

۳۳- ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، ص۔ ۵۷۔

34. Akbar S. Ahmad, *Pakistan Society*, Oxford University Press, Karachi, 1988, p. 101.

۳۵- محمد شفیع صابر، تاریخ صوبہ سرحد، یونیورسٹی بک ایجنسی، پشاور، ۱۹۸۶ء، ص ص۔ ۷۹۴-۷۹۵۔

۳۶- داؤد کوثر، مجاہدین ہزارہ، ایبٹ آباد، ۱۹۸۰ء، ص ص۔ ۸۴-۸۶۔

۳۷- محمد شفیع صابر، ص۔ ۸۸۵۔

38. Sohail Ahmad, "Life, Thoughts and Reflections of Maulana Ghulam Ghous Hazarvi" (M.A Thesis submitted at Department of Pakistan Studies, Govt. Postgraduate College, Mansehra, 2002), pp. 16-17.

۳۹- محمد شفیع صابر، ص۔۹۰۴۔

۴۰- داؤد کوثر، ص۔۱۹۷۔

۴۱- ایضاً، ص۔۲۰۰۔

42. Anwar Khan, *NWFP in Freedom Struggle*, Historical Research Society of Pakistan, Lahore, 2000, pp. 192-94.

۴۳- داؤد کوثر، ۲۲۶۔

44. Syed Wiqar Ali Shah, *Muslim League in NWFP*, Royal Book Company, Karachi, 1992, p. 109.

۴۵- ایضاً، ص۔۱۱۰۔

۴۶- ایضاً، ص ص۱۳۱۔۱۳۲۔

47. Dr. Riaz Ahmad, ed., *The Frontier Muslim League 1913-1947: Secret Police Abstracts*, NIHCR, Islamabad, 2008, p. 314.

۴۸- ایضاً۔ص ص۔۳۱۸۔۳۲۳۔

۴۹- ایضاً، ۳۳۸۔۳۳۹۔

50. Wiqar Ali Shah, pp. 145-49.
51. Dr. Riaz Ahmad, p. 362.
52. Wiqar Ali Shah, p. 159.
53. Dr. Riaz Ahmad, pp. 365-66.

۵۴- ایضاً، ص۔۳۶۸۔

۵۵- نر سنگداس نرگس، ص۔۹۳۵۔

۵۶- انٹرویو، محمد گشتاسپ خان (سابقہ صوبائی وزیر، قائد حزب اختلاف سرحد اسمبلی) بتاریخ ۱۶۔ ۰۵۔ ۲۰۰۹۔

۵۷- ایضاً۔

۵۸- محمد شفیع صابر، ص۔۱۱۴۳۔

۵۹- محمد گشتاسپ خان۔